حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ

جماعت صحابہ کرام کی ایک جلیل المرتبت شخصیت تفسیر قرآن میں ان کا مقام سب سے بلند تھا

مولانا محمّد سعید الرحمٰن علوی

وہ حضرات جنہیں اللہ ربّ العزت نے اپنے آخری رسول محمد عربی صلوات اللہ تعالےٰ علیہ وسلامہ کی صحبت و رفاقت کے لئے چنا تھا، ان کا مقام جتنا اہم ہے اس کا شعور و احساس ہر اس غیرت مند انسان کو ہے جسے اہلسنت وجماعت میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو اس کی حقیقت سے واقف ہے۔ قرآن عزیز نے ان حضرات کو معیار حق و صداقت (البقرہ: ۳۰، ۱۳۷) قرار دیا اور حضور علیہ السلام نے انہیں آسمان ہدایت کے ستاروں سے تعبیر فرمایا اسی عظیم المرتبت جماعت میں ایک بزرگ کا نام حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہے جو حضور علیہ السلام کے خصوصی خادم ہونے کی حیثیت سے " صاحب النعلین والسواك والوساد والسواد " (جوتے، مسواک اور تکیہ وغیرہ لائے جانے کی خدمت کرنے والے) کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آپ کی پیدائش کے متعلق ارباب تذکرہ نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۲ھ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور جس طرح معاشرہ کے دوسرے درجہ کے لوگوں نے ابتدا میں قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کرکے نسب کے پجاریوں کو پیچھے چھوڑ دیا، اسی طرح کا معاملہ آپ کا بھی ہے کیونکہ آپ مشہور قریشی سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرانے کی ڈیوٹی پر مامور تھے اور "ھذلی غلام کے نام سے مشہور" ارباب تاریخ نے آپ کو چھٹا مسلمان لکھا ہے اور صاحب اسد الغابہ نے ایک روایت آپ سے خود نقل کی جس کا سلسلہ روایت اس طرح ہے۔

اعمش عن القاسم بن عبد الرحمٰن عن ابیہ

اس روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا:

لقد رأیتنی سادس ستۃ ما علی ظھر الارض مسلم غیرنا

(اسدالغابۃ ج ۳ صفحہ ۲۵۶/۳۴۷ مطبوعہ ریاض)

یعنی روئے زمین پر اپنے سمیت چھ حضرات کے علاوہ میں نے کسی کو مسلمان نہیں دیکھا -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھٹے مسلمان تھے - آپ کی والدہ محترمہ "امّ عبد" اور بھائی "عقبہ" بھی قدیم الاسلام صحابی تھے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالےٰ نے تصریح کی ہے اور عقبۃ کو "صحابی ابن صحابیۃ" لکھا ہے (نووی ص۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قبولِ اسلام حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے جسکی تفصیل دوسری کتب کے علاوہ اسدالغابہ ج ۳ ص ۲۵۶ - ۵۷ میں موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیق کی معیت میں کہیں جا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکریاں چرا رہے تھے یہ بکریاں عقبہ بن ابی معیط کی تھیں - آپنے اُن سے فرمایا کہ بیٹے تمہارے پاس دودھ ہے، انہوں نے عرض کیا دودھ تو ہے لیکن میں پیش اسلئے نہیں کرسکتا کہ وہ میرے پاس امانت ہے (اور یہ ان کے عظمتِ کردار کی دلیل تھی) - حضور علیہ السلام نے اُن سے ایسی بکری کا تقاضا کیا جو ہنوز دودھ کی عمر کو نہ پہنچی ہو اور جفت نہ ہوئی ہو انہوں نے ایسی ایک بکری پیش کی تو رسول کریم علیہ السلام اُس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے اللہ کی قدرت سے دودھ اتر آیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے دودھ دوہا، اور حضرت ابوبکر کو پلا کر پھر خود پیا - اس کے بعد تھنوں کو مخاطب کر کے کہا کہ سابقہ حالت پر آجاؤ چنانچہ ان کی اصل کیفیت ظاہر ہوگئی اور دودھ غائب ہوگیا - اس واقعہ کے بعد وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ کلام (یا یہ قرآن) مجھے سکھائیں، آپنے محبت کے ساتھ ان کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ تم اَدیب بچے ہو جسمیں شانِ معلمی پنہاں ہے -

چنانچہ انہوں نے براہ راست رسولِ اکرم علیہ السلام سے ستر سورتیں سیکھنے کی

سعادت حاصل کی بعض تذکرہ نگاروں نے جو یہ لکھا ہے کہ دودھ کا یہ قصہ حضور اکرم علیہ السلام کے سفر ہجرت کا ہے (دائرۃ المعارف پنجاب یونیورسٹی ص ۶۸۸/۱) تو یہ صحیح نہیں کیونکہ آپ تو چھٹے صحابی ہیں، اس لیئے یہ طے ہے کہ یہ قصہ بالکل ابتدائے اسلام کا ہے۔ قرآن عزیز سے آپ کے قلبی لگاؤ اور تعلق کا ایک واقعہ وہ بھی ہے جسے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ان کے صاحبزادے حضرت عروہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نقل کیا ـــــ کہ ایک دن اصحابِ رسول کے مجمع میں یہ گفتگو ہوئی کہ قریش کے اجتماعی مجامع میں آج تک جہر سے قرآن نہیں پڑھا گیا اور نہ ہی انہوں نے اس طرح سنا ہے' اس کی کوئی سبیل ہونی چاہیئے ـــــ سوال یہ ہے کہ اس جبر کے ماحول میں اس کا اہتمام کون کرے ؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کمال جرأت سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا، صحابۂ رسول نے کہا بھی کہ قریش بڑے ظالم ہیں بپھرے ہوتے ہیں، اسلام اور رسول رحمت سے انہیں سخت عناد ہے، قرآن اس طرح سننا انہیں قطعاً گوارا نہ ہوگا اور پھر آپ کا معاملہ ایسا ہے کہ آپ کا کوئی قبیلہ برادری یہاں نہیں جس کا خوف قریش کو ہو، کوئی ایسا شخص ہو جس کا قبیلہ برادری ہو اور اس کا قریش پر اثر ہو اور وہ اسکی جرأت کرتے تو صحیح رہے گا ورنہ قریش تو آپ پر زیادتی کریں گے لیکن مردانِ حُر کے انداز نرالے ہوتے ہیں انہوں نے کمال جرأت سے کہا کہ کچھ ہو یہ خدمت و سعادت میں حاصل کروں گا رہ گیا میری حفاظت کا معاملہ' تو اس سلسلہ میں مجھے اللہ ربّ العزت پر بھرپور اعتماد ہے وہی میری مدد و نصرت کرے گا۔ چنانچہ دوپہر سے قبل جبکہ رؤساء قریش اپنی بیٹھک اور دارالندوہ میں جمع تھے، آپ وہاں جا دھمکے اور پوری آواز کے ساتھ سورۃ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی ـــــ ایک مرتبہ تو قریش اتنے متاثر ہوئے کہ وہ انہی الفاظ کو دہرانے لگے لیکن پھر شیطان و نفس کے غلبہ سے بولے' ارے یہ تو وہ کلام پڑھ رہا ہے جو محمد کریم علیہ السلام لے کر آئے ہیں ـــــ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور آپ کو مارنا شروع کر دیا، ان بدبختوں نے آپکے چہرہ پر مارا جس سے وہ سوج گیا ـــــ خیر وہ وہاں سے اپنے احباب کے پاس واپس آئے انہیں ماجرا سنایا، انہوں نے کہا کہ ہمیں اسی کا ڈر تھا ـــــ ابن مسعود کا جرأت مندانہ جملہ یہ تھا، ان دشمنانِ خدا کے مقابلہ میں اب مجھے آسانی ہوگئی، اگر تم چاہو تو بارِ دیگر ایسا ہی کرنے کو

رہوں صحابہ نے فرمایا کہ بس میاں، تم نے کمال کر دیا جس بات کو وہ ناپسند کرتے
تم نے سنادی (اب آگے ان کا مقدر)، قبولِ اسلام کے بعد رسول اکرم علیہ السلام
انہیں خدمت کا موقع اس طرح بخشا کہ آپ کے لئے وضو، غسل کا اہتمام، سونے کے
جگانا، آپکے جوتے مبارک سنبھالنا اور اس نوع کی خدمات ان کے مقدر میں آئیں
ں کے سبب انہیں حضور علیہ السلام کا ایسا ساتھی کہا جانے لگا جو صاحب النعلین
سواک وغیرہ ہو اور یہ ان کا منفرد اعزاز تھا۔ حضور علیہ السلام کی ہجرتِ مدینہ سے
ں حبشہ کی جو ہجرت ہوئی اس میں آپ کو شرکت کا موقعہ ملا۔ ہجرتِ مدینہ کا موقعہ
سر آیا، دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کی توفیق میسر آئی اور بدر سمیت جملہ اہم مقامات
آپ شامل سفر تھے حتیٰ کہ بدر میں سب سے بڑے دشمن اسلام ابوجہل کی گردن کاٹنے
فخر انہیں حاصل ہوا — گو عشرہ مبشرہ میں ان کا نام نہیں لیکن حضور علیہ السلام نے
یں واضح طور پر جنت کی بشارت دی۔ اور حضور علیہ السلام نے وادی محسر میں
ت کو جو تبلیغ کی جس کے نتیجہ پر جنات مسلمان ہوتے جس کا ذکر سورۃ الجن اور
ورۃ الاحقاف میں ہے، اس موقعہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ ساتھ
ے — سانحہ ارتحال نبوی کے بعد "یرموک" کے اہم ترین میدان میں آپ کو شرکت
موقعہ میسر آیا۔ آپ کی علمی جلالت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مفسر قرآن حضرت
داللہ بن عباس (ترجمان القرآن اور حبرامت) شیخ الصحابۃ حضرت عبداللہ بن عمر،
ضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمران بن حصین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت جابر
ن عبداللہ، حضرت انس بن مالک (خادم خاص رسول اکرم فی المدینہ) حضرت ابوسعید
دری، محدث اعظم حضرت ابوہریرۃ اور حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابہ
پ سے روایت واستفادہ کرتے نظر آتے ہیں جبکہ تابعین کی ایک بڑی جماعت آپ
ی شاگرد ہے اور فقہ حنفی جیسے دنیا کے ۳/۴ مسلمانوں میں قبولیت حاصل ہے — اس
ماخذ آپکی ذات مبارکہ، آپ کی روایات وفتاوی اور اجتہادات ہیں،

نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے آپ کے تعلق خاطر کا اندازہ اس
ے ہوسکتا ہے کہ جلیل المرتبت صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے
ں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے مدینہ منورہ آئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود اور انکی

والدہ محترمہ کا کاشانۂ نبوت میں جس کثرت وعمومیت سے آنا جانا تھا اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ یہ حضرات اہل بیت نبوی میں سے ہیں (اہل بیت کا اطلاق بنیادی طور پہ ازواجِ مطہرات پر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ احزاب کی آیات ۲۸ تا ۳۴ سے ثابت ہے تبعاً باقی اعزہ بھی اس میں شامل ہیں) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جب سوال ہوا کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے نبی کریم علیہ السلام کے قریب ترین شخصیت سے ہمیں آگاہ کیا جائے تو ان کا جواب حضرت ابن مسعود کے متعلق تھا اور اصحاب محمد علیہ السلام انہیں "اقربہم الی اللہ زلفی" میں شمار کرتے (وہ لوگ جو اللہ رب العزت کے خاص مقرب ہوں اور جن کا تعلق مع اللہ خوب سے خوب تر ہو۔) سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی منقبت میں بڑی اہمیت کی حامل ہے جس میں انہوں نے فرمایا۔

لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا مِنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاَمَّرْتُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ

اگر بغیر مشورہ میں اپنے طور پر کسی کو اپنا جانشین اور تمہارا امیر مقرر کرتا تو وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام چونکہ امت کے حق میں ایک اہمیت کا حامل ہے، اس لئے نظمِ مملکت کا معاملہ امت کے ارباب فہم وعلم اور اہل صلاح و تقویٰ کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیا گیا تاکہ آئندہ کوئی غلط رسم نہ چل نکلے ورنہ بقول حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اپنے علم و تقویٰ، فہم و فراست اور نظم و انتظام کی صلاحیتوں میں اس حیثیت کے انسان تھے کہ اس منصب کی نزاکتوں کو بخوبی پورا کر سکتے تھے —— یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآب کے جانشین اور امرا انکی بڑی قدر کرتے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو امیر اور انہیں وزیر و معلم بنا کر کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کو لکھا کہ

یہ دونوں حضرات اصحاب محمد علیہ السلام میں سے منتخب ترین شخصیتیں ہیں، انکی اقتداء کرو، ان کی اطاعت کرو اور انکی بات توجہ اور گوش ہوش سے سنو، یاد رکھو کہ میں نے (بطور خاص)، عبداللہ بن مسعود کو اپنے

بجائے تمہارے لئے منتخب کیا اور یہ فیصلہ ترجیحی ہے (تاکہ تم اپنے دین و علم کے معاملہ میں ان سے فیضیاب ہو سکو)

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس بعض لوگ بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ اخلاق کے اعتبار سے احسن، تعلیم و تعلّم کے اعتبار سے ارفق (نہایت مشفق و مہربان) صحبت مجلس کے اعتبار سے نہایت بہتر اور ورع و تقویٰ میں عبداللہ بن مسعود سے بڑھکر ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ بات تم صدق دل سے کہہ رہے ہو (یا محض بناوٹ و تصنع ہے) انہوں نے کہا کہ دل سے ہم یہ کہہ رہے ہیں تو جناب علی نے فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں یعنی وہ واقعی ایسے ہی ہیں

اصحاب رسول علیہ السلام انہیں قرآن کا سب سے بڑا عالم جانتے اور اس کا سبب حضور علیہ السلام کے ارشادات تھے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک روایت تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے نقل کی کہ ایک دفعہ پر حضرت نبی کریم علیہ السلام نے مختصر خطبہ دیا پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور بعض دوسرے حضرات سے خطبہ دلایا اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو خطبہ کا ارشاد ہوا، انہوں نے خطبہ دیا تو نبی رحمت نے فرمایا۔

ابن ام عبد نے درست کہا، سچ کہا (ج صـ ۳۷ مطبوعہ لاہور)

آپ کی احتیاط پسندی کے متعدد واقعات نقل کئے گئے ہیں کہ حدیث رسول بیان کرتے وقت لرزہ براندام ہو جاتے اور بڑی احتیاط سے الفاظ ارشاد فرماتے مبادا منہ سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو سرکار دو عالمؐ کی زبان سے نہ نکلا ہو اور اس پر گرفت ہو جائے - اس لئے فرماتے ۔

آپؐ نے اس طرح فرمایا یا اس کی مثل فرمایا یا اس کے قریب قریب فرمایا۔

آپ کی وفات کے متعلق لکھا ہے کہ مرض الموت میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ ان کی عیادت کو آئے تو انہیں روتا پایا اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا میں اپنے گناہوں کے سبب روتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کس چیز کی خواہش ہے اس کے جواب میں آپ نے کہا کہ بس اپنے رب کی رحمت کی خواہش ہے اور بس ___ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں آپ کے لئے طبیب کا اہتمام کروں تو انہوں نے کہا کہ طبیب حقیقی

کی حکمت نے تو بیمار کیا اب اس سے مقابلہ تو نہیں کرنا جسمیں وہ راضی اس میں ہم راضی انہوں نے مالی تعاون کا کہا تو فرمایا اسکی ضرورت نہیں، انہوں نے کہا کہ آپ کی بیٹیوں کے لئے کوئی انتظام ہو جائے تو فرمایا کہ میری بیٹیوں کے معاملہ میں آپ کو فقر وفاقہ سے نہ ڈرنا چاہیئے کیونکہ میں نے ان سے کہدیا ہے کہ ہر رات سورۃ واقعہ پڑھیں تو فقر قریب نہ آئیگا ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ :

”میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ والہٖ واصحابہ وسلم سے سنا آپ فرماتے کہ جو شخص ہر رات سورۃ واقعہ پڑھے گا فقر وفاقہ اس کے قریب نہ آئے گا“

آپؓ ہی وہ صحابی ہیں جنہیں رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ مجھے قرآن پڑھکر سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ پر تو قرآن اترتا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ”مجھے دوسروں سے سننے کی خواہش ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں“ چنانچہ آپ نے سورۃ نساء شروع کی جب آیت الم پر پہنچے تو حضور علیہ السلام کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے — وہ آیت ہے ۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۔

”بھلا اس وقت ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک احوال بتانے والے طلب کریں گے اور اے محمد آپ کو ان لوگوں پر یعنی آپ کی امت پر بطور گواہ لائیں گے ۔“

(ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی)

اس شہادت سے مراد یہ ہے کہ جس طرح تمام امتوں سے دریافت کیا جائیگا کہ تم نے اپنے نبیوں کی دعوت کا کیا جواب دیا، اسی طرح پیغمبروں کو بھی بلاکر ان سے دریافت کیا جائیگا کہ تمہاری امتوں کا تمہارے ساتھ کیا سلوک تھا؟ تاکہ مجرموں پر فرد جرم عائد ہو سکے ۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے اور آپنے فرمایا ”عبداللہ بس، عبداللہ بس“۔ اور عرض کیا اے میرے اللہ میں ان پر تو شہادت دے سکتا ہوں جن میں موجود ہوں اور جن میں موجود نہ ہوں گا ان

کے متعلق کیسے گواہی دونگا (ابن ابی حاتم، تاہم حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول تفسیر قرطبی میں ہے اور بعض دوسرے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح امت اجابت کو حضور علیہ السلام آثارِ وضو سے پہچان لیں گے۔ اسی طرح امتِ دعوت کے لئے بھی ایک نشانی ہوگی جس سے انہیں پہچان لیا جائے گا۔ (اس نشانی کی تفصیل نہیں مل سکی) محدثین نے آپ سے مروی روایات کی تعداد ۸۴۸ بتائی ہے جن میں زیادہ تر روایات قرآن اور قرآنی علوم سے متعلق ہیں۔

امام المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ (جو فقہائے اربعہ میں سے ایک ہیں) کی حدیث میں مشہور و معرکۃ الآراء کتاب "مسند" کی جلد اول کے ص ۳۷۴ سے ص ۴۶۶ تک "مسند عبداللہ بن مسعود" شامل ہے جس میں حضرت الامام نے مرویات ابن مسعود جمع کردی ہیں بیروت کا مطبوعہ نسخہ جو ہمارے پیش نظر ہے، نہایت ہی باریک ٹائپ کے ۹۲ صفحات اس عظیم تر صحابی کی ان روایات پر مشتمل ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیں اور یا ان کے اجتہادات ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ "صحابی" کا اجتہاد معمولی درجہ کا نہیں ہوتا، اول تو ایک حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے "اجتہد برأی" کے الفاظ سن کر حضور علیہ السلام نے نہایت خوشی و مسرت کا اظہار کیا دوسرے صحابہ کے متعلق "کلھم عدول" کا اجماعی عقیدہ ان کی عظمت شان کے مطابق ہے اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے صحابی جنہیں جناب رسالت مآب سے بے پناہ تعلق رہا اور ابتداء سے ہی جوذات نبوی سے چمٹ گئے، ان کے تفقہ اور اجتہاد کا کیا مقام ہوگا؟ رہ گیا معاملہ ان کی تفسیری روایات کا تو وہ ہر دوسرے صحابی کے مقابلہ میں زیادہ ہیں اور ان سے خاص طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سیکھنے کی لوگوں کو توجہ دلائی ــــ علماء کے ایک بڑے طبقہ کی رائے یہ ہے کہ جماعت صحابہ میں "بطور مفسر" ان کا سب سے بڑا مقام ہے ہندوستان کے مشہور عالم مولانا امتیاز علی خان عرشی مرحوم (رام پور) نے تفسیر ابن مسعود کو ایڈٹ کرکے اپنے یہاں سے بڑے اہتمام سے شائع کیا جو طلبائے قرآن کے لئے ایک یادگار چیز ہے ــــ بعض روایات کا خلاصہ مسند احمد سے نقل کرنے کو جی چاہتا ہے تاکہ آپ کی تفسیری آراء اور اجتہادات کا عام لوگوں کو علم ہو جائے۔

قرآن عزیز کا واضح فیصلہ ہے کہ مشرک کی بخشش نہ ہو گی — اس حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

"دو باتیں بڑی واضح ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جو میں نے اپنے آقا علیہ السلام سے سنی دوسری میرا اجتہاد ہے — جو بات میں نے رسول محترم علیہ السلام سے سنی وہ یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا اور اسی حال میں مرگیا اسکی بخشش نہ ہوگی اور اس کے ساتھ دوسری بات جو میرا اجتہاد ہے وہ یہ ہے کہ جو اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ اس نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا اور اس کا کسی کو ساتھی نہیں بنایا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

سُورۃ مجادلہ کے دوسرے رکوع کی ابتدا میں سرگوشیوں سے منع فرمایا گیا اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم تین ہو تو دو الگ سے سرگوشی نہ کرو کہ اس سے تیسرے کو تکلیف ہوگی۔

قرآن عزیز نے "توبہ" پر بڑا زور دیا ہے اور کہا ہے کہ اچھی طرح توبہ کرو — جسکا انجام اللہ تعالےٰ کی رحمت کی شکل میں سامنے آئیگا — توبہ کیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

الندم التوبہ، الندم التوبہ یعنی ندامت ہی توبہ ہے۔

جب آدمی کئے پر پچھتائے تو گویا اس نے توبہ کرلی۔ اللہ کو اس کا پچھتانا پسند آجاتا ہے۔

سُورۃ آل عمران کی آیت ۷۷ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اللہ سے کئے گئے عہد اور قسموں کو تھوڑی قیمت پر فروخت کرنے والوں کا انجام یہ ہوگا کہ انہیں آخرت میں بھلائی سے کوئی حصہ نہ ملے گا نہ اللہ تعالےٰ ان سے محبت و مروت کی گفتگو کریں گے نہ نظرِ شفقت سے دیکھیں گے اور نہ انہیں پاکیزگی نصیب ہوگی —— اس آیت کے متعلق روایت ہے۔

کہ جو قسم اٹھائے تاکہ اس کے ذریعہ مسلمان کا مال ہڑپ کر سکے تو وہ اللہ تعالےٰ سے اس حال میں ملاقی ہوگا کہ رب العزت اس پر

غضب ناک ہوں گے ۔

گویا نام خداوندی جس کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے، کو دنیوی مفادات کے لئے کسی طرح بھی استعمال کرنے والا غضب خداوندی کا شکار ہوگا ۔ آل عمران کی آیت ۱۸۰ میں زکوٰۃ وغیرہ سے اعراض کرنے والوں کے لئے "طوق" کا ذکر ہے اس کی تفصیل آپ کی روایت میں اس طرح ہے ۔

"کہ وہ گنجا سانپ ہوگا جو انسان کا تعاقب کرے گا، انسان اس سے دوڑے گا ۔ لیکن بے سود، وہ اس کو لپٹ جائیگا اور کہے گا کہ میں تیرا (کنز) "خزانہ" ہوں"

الانعام کی آیت ۸۲ میں ان اہل ایمان کے مامون ہونے کا ذکر ہے جن کا ایمان "ظلم" کی آمیزش سے پاک ہے، اس پر پریشانی ہوئی تھی سوہوئی کہ ظلم تو عام ہے ۔ کسی نہ کسی درجہ میں اس کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت نے بتایا کہ اس سے مراد "شرک" ہے اور دلیل میں سورہ لقمان کا حوالہ دیا جسمیں ہے ۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔

سورۃ الفرقان کی آیت ۶۸ میں "عباد الرحمن" کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ :

وہ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی پرستش نہیں کرتے، بلاوجہ کسی کو قتل نہیں کرتے اور بدکاری سے اجتناب کرتے ہیں ۔

اس آیت کی وضاحت میں حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے ساتھ تو کسی کو شریک ٹھہرائے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے پھر سوال ہوا کہ اس کے بعد؟ تو فرمایا کہ تو اپنے لڑکے کو اس لئے قتل کر دے کہ کل وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا (خاندانی منصوبہ بندی) پھر سوال ہوا تو فرمایا کہ تو زنا کا ارتکاب کرے بقول حضرت عبداللہ اس کی تصدیق میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری ۔

سورۃ دخان میں دخان کے عذاب سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا مشہور

قحط مراد لیتے ہیں جس میں لوگوں نے ہڈیوں پہ گذارہ کیا اور ہر شخص آسمان کی طرف دیکھتا کہ شاید ابر نظر آئے لیکن اسے دھواں نظر آتا - اس کیفیت نے پورے معاشرہ کو لپیٹ میں لے لیا ، اس پر حضور علیہ السلام سے دُعا کی درخواست ہوئی تو یہ بلا ٹلی - "کاشفوا العذاب" اس دُعا کے ثمرہ کی طرف اشارہ ہے لیکن چونکہ قریش کی خرمستی ختم ہونے والی نہ تھی اور یہ بات اللہ تعالےٰ کے علم میں تھی اس لئے ساتھ ہی فرمادیا

وہ دن قریب ہے جب ہم سختی کے ساتھ پکڑیں گے - اور سخت بدلہ لیں گے -

اس سے مراد بدر کا دن ہے ، جس دن کفار کی طاقت زیروزبر ہوئی -

آپ کی رائے یہ تھی جس کا آپ نے واضح طور پہ اظہار کیا جبکہ بعض حضرات اس کا تعلق قیامت سے جوڑتے ہیں لیکن آپکے دلائل کو امت نے تسلیم کرکے اس سے قحط ، دعائے نبوت اور پھر یوم بدر مراد لیا -

ایک صاحب نے رمضان میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا پھر نبی کریم علیہ السلام سے سوال کیا تو بقول حضرت ابن مسعود سورۃ ہود کی آیت اتری ۱۱۴)

"آپ دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کی پابندی کیجئے بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں —— (معمولی گناہوں کے ازالہ کی اللہ تعالےٰ نے گویا یہ ترکیب بتائی ،) اسی لئے حضورؐ نے فرمایا" جو میری اُمت میں اس قسم کا کام کر بیٹھے اس کے لئے یہی کفارہ ہے -

سورہ لقمان کی آخری آیت میں "مغیبات خمسہ" کا ذکر ہے —— اس آیت کے ضمن میں حضرت ابن مسعود کی رائے گرامی ہے کہ

تمہارے نبی کو ان پانچ چیزوں کے علاوہ باقی سب چیزوں سے آگاہ کیا گیا (اجمالی طور پہ یا تفصیلی طور پہ)

واقعہ معراج میں سورۃ نجم میں "اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی" سے مراد بروایت حضرت ابن مسعود "سونے کا فرش" ہے - آپ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھا - آپ ایک لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے کھڑے تھے یہود کا ایک گروہ گذرا ، آپسمیں مشورہ کرکے انہوں نے رُوح کے متعلق سوال کیا —— تو آپ اسی طرح ٹیک لگائے کھڑے ہوگئے ، مجھے فوراً وحی کا احساس ہوا چنانچہ بروقت جواب

آیا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ الخ (فرمادیجئے کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے)
(بنی اسرائیل)

قرآن عزیز نے سورۂ بقرہ میں اجمالی طور پر انبیاء کی باہمی فضیلت کا ذکر کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر انبیاء کے باہمی تقابل سے لوگوں کو روکا کہ اسمیں سوءِ ادب ہے خاص طور پر حضرت یونس بن متی کے متعلق فرمایا۔

تم میں سے کسی کے لئے اجازت نہیں کہ وہ یوں کہے کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

پیغمبرانہ بصیرت پر قربان جایئں — آئندہ چل کر بعض مفکر و دانشور اور قائدین ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے یونس علیہ السلام پر "بے صبری" کا الزام لگا کر بے جا جسارت کرکے اپنے آپ کو مجرم بنایا — حالانکہ وہ نبی اللہ تھے اور نبی معصوم ہوتا ہے اور لوگوں کی تنقید و جرح سے بالاتر - اور آخر میں سورۂ المائدہ کی آیت ۷۸ جس میں بنی اسرائیل پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کے حوالہ سے لعنت کا ذکر ہے، کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سن لیں، شاید کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں آج کی غفلت دور ہو سکے — بنی اسرائیل گناہوں میں ملوث ہوئے - تو ان کے علماء نے روکا تو سہی لیکن لوگ باز نہ آئے تو علماء نے ان کے ساتھ ہی اکل و شرب اور نشست و برخاست شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں مجرموں کے قلوب کی ظلمت کا اثر ان پر بھی پڑا اور یہی وہ مقام ہے جہاں آکر انسان لعنت خداوندی کا شکار ہوتا ہے — گویا علماء کا فرض ہے کہ وہ اپنا کام کرتے رہیں، لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں، اس کے سبب فرض سے اعراض و غفلت ستم بالائے ستم اور شدید قسم کی نافرمانی ہے بہر طور جماعت صحابہ کے ایک عظیم المرتبت فرد، قرآن کے خادم اور تفسیر قرآن پر سب سے بڑی اتھارٹی کا مختصر تذکرہ اور ان کے تفسیری ارشادات کا نمونہ اس لئے پیش کیا گیا کہ خلقِ خدا کو صحابہ کرام رضی کے تعلق باللہ - تعلق مع القرآن اور رسول اکرم کے ارشادات کو محفوظ رکھنے کے متعلق اندازہ ہو سکے کہ اس معاملہ میں ان کے ذوق و جذبات کا کیا عالم تھا ؟ — قرآن اور صاحبِ قرآن سے اس قسم کی عقیدت و وارفتگی آج کے مسائل کا حل ہے ورنہ ع نیست ممکن جز بقرآں زیستن -

ooooooooo